عیسائیت میں جدید مذہبی رجحانات
تاریخی و تجزیاتی مطالعہ

از ڈاکٹر ظفر اللہ بیگ

کلیہ اصول الدین بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

عیسائیت کا ظہور قدیم فلسطین میں ہوا جب رومی حکومت کا اقتدار عروج پر تھا۔ رومیوں نے ۶۳ ق م میں فلسطین کو فتح کر لیا تھا حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت ان کی سلطنت ایرانی سرحدات سے لے کر بحیرہ روم تک پھیل چکی تھی۔ رومیوں کا اپنا مذہبی عقیدہ تھا۔ جس میں نمایاں طور پر شہنشاہ کی پرستش شامل تھی جو سلطنت سے وفاداری کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے پراسرار مذاہب Mystery Cults پائے جاتے تھے ان کا آپس میں یک گونہ تال میل تھا۔ ان تمام اساطیری مذاہب کا بنیادی نقطہ ایک نجات دہندہ دیوتا کا تصور تھا جو مرکر جی اٹھا۔ ایسے دیوتا کے کئی روپ اور کئی نام تھے مثلاً متھرا، ادونی، اورنس، ڈائی اونیس وغیرہ۔

بعض محققین کا خیال ہے کہ حضرت مسیح کی وفات اور پھر جی اٹھنے کا عقیدہ ان دیوتاؤں کے مرکر جی اٹھنے کے عقیدے سے مستعار لیا گیا ہے[1] یہ عقیدہ باقی تمام اساطیری عقائد پر حاوی ہو گیا۔ دوسرے محققین کا خیال ہے کہ اگرچہ یہ عقیدے رومی معاشرے میں بہت مقبول تھے لیکن مسیح علیہ السلام کی صلیبی وفات اور ان کے مرکر جی اٹھنے کے مسیحی عقیدے سے اس کا ناطہ جوڑنا غلط ہے۔ مسیح کے متعلق عقیدے کا الگ وجود اور ارتقاء ہے اور اس کی منفرد حیثیت ہے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرکر جی اٹھنے کے عقائد رومن معاشرے میں عام

تھے اور موسموں کے تغیرات کو اسی عقیدے کی روشنی میں بیان کیا جاتا تھا جن کے نتیجے میں لوگوں کو تیار فصلیں اور کھانے پینے کا سامان حاصل ہوتا تھا۔[۲]

رومن حکومت میں سب سے زیادہ اہم مذہب یہودیت تھی۔ یہودیوں کے دو بڑے گروہ تھے فریسی اور صدوقی۔ فریسی یہود کے مذہبی عقائد اور رسومات کے نمائندہ افراد سمجھے جاتے تھے یہ یونانی تہذیب اور مذہبیات کے مخالف تھے۔ صدوقی فرقہ قدامت پرست تھا اور ہیکل پر ان کا کنٹرول تھا ایک اور مذہبی۔ سیاسی گروہ انقلابی یہودیوں پر مشتمل تھا جو رومن سلطنت کے خلاف تھے۔ رومن سلطنت کے خلاف یہودیوں کی بڑی بغاوت کو رومی افواج نے ۷۰ء میں کچل کر رکھ دیا ہیکل کو تباہ کر دیا اور ان کی بڑی تعداد کو یروشلم سے جلا وطن کر دیا۔

ہیکل کی تباہی اور یہودیوں کی جلا وطنی کے نتیجے میں ان کے دلوں میں ایک آنے والے نجات دہندہ یعنی مسیح Promised Messiah کا تصور زور پکڑ گیا ان کا خیال تھا کہ اس تباہی کے بعد ایک مسیح کا ظہور ہو گا جو ان کو دوبارہ سلطنت عطا کرے گا اس کا تعلق حضرت داؤدؑ کے گھرانے سے ہو گا۔ یہ ان کی غلطی تھی کیونکہ اصل مسیح یعنی عیسیٰ ابن مریمؑ کا ہیکل کی تباہی سے قبل ظہور ہو چکا تھا ان کی مسیحیت و نبوت کا یہودیوں نے انکار کیا اور رومی گورنر سے مل کر ان کو مصلوب کرانے کی کوشش کی۔ حضرت مسیحؑ ہی یہودیوں کے حقیقی نجات دہندہ تھے جنہوں نے یہودیوں کو آگاہ کیا تھا کہ ان کی بد اعمالیوں اور برائیوں کی وجہ سے ان کی مرکزی عبادت گاہ یعنی ہیکل کا وجود باقی نہ رہے گا ان کی اس پیش گوئی اور ان کے دعوؤں کی تکذیب کے باعث یہود پر مصیبت وارد ہوئی۔[۳]

بعثت مسیح علیہ السلام

حضرت مسیح ابن مریم کی زندگی کے حالات جاننے کے لئے ہمیں اناجیل پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ یہ اناجیل۔ متی، مرقس، لوقا اور یوحنا ہیں ان کے بعد عہد نامہ جدید میں رسولوں کے اعمال اور پال یا پولوس رسول کی تحریرات ہیں۔ اناجیل اربعہ اور پولوس رسول کی تحریرات تاریخی حقائق سے زیادہ عقیدے اور ایمان کا اظہار ہیں ان میں زیادہ زور مسیح کی صلیبی موت،

ان کے مر کر جی اٹھنے اور کفارہ کے عقیدے پر دیا گیا ہے۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے بعض اقوال ابتدائی دور میں ان کے حواریوں نے جمع کئے لیکن ان میں وہ اقوال بھی شامل ہو گئے جو ان کے نہیں تھے۔ مسیح علیہ السلام نے خود کوئی تحریر نہیں چھوڑی ان کی زبان آرامی تھی جو عبرانی سے ملتی ہے۔ اناجیل اربعہ یونانی زبان میں تحریر ہوئیں۔

متی کی انجیل کے مطابق مسیح علیہ السلام بیت اللحم میں پیدا ہوئے یہ رومی قیصر ہیروڈ کا زمانہ تھا جس کی وفات ۴ ق م میں ہوئی۔ دوسری اناجیل میں تاریخ پیدائش مختلف ہے ایسے ہی پیدائش کی جگہ کے بارے میں اختلاف ہے بعض یہودہ کا علاقہ بیت اللحم اور بعض گلیل کا علاقہ ناصرہ بتاتے ہیں۔ ان کی بچپن کے تفصیلی حالات نہیں ملتے بارہ سال کی عمر میں انہوں نے ہیکل جانا شروع کر دیا تھا جہاں وہ یہودی ربیوں سے سوالات پوچھتے (لوقا - ۲ - ۴۲ - ۵۰) تیس سال کی عمر میں انہوں نے یوحنا بپتسمہ لینے والے مرتاض John the Baptist سے بپتسمہ لیا۔ قرآن میں ان کا نام حضرت یحیٰؑ ہے یوحنا خدا کی بادشاہت کے قیام کی منادی کیا کرتے تھے اور مسیح کی آمد کی پیش گوئی کیا کرتے تھے وہ دریائے اردن کے کنارے منادی کرتے یہیں مسیح علیہ السلام نے ان سے بپتسمہ لیا۔

یوحنا (حضرت یحیٰؑ) کے قتل کے بعد حضرت مسیحؑ نے خدا کی بادشاہت کے قیام کا اعلان کیا۔ بارہ لوگوں نے ان کا ساتھ دیا جن میں مچھیرے، دستکار، اور ایک ٹیکس جمع کرنے والا شخص تھا جس کو معاشرے میں اچھی نظر سے نہ دیکھا جاتا تھا۔ مسیحؑ نے تمثیلوں میں تعلیم دی، معجزات دکھائے اور معاشرے کے پسماندہ طبقوں سے اظہار ہمدردی کیا۔ ان کا مشن سال دو سال تک جاری رہا۔ یہودی پیشوائیت کے خلاف ان کی تحریک بڑی موثر ثابت ہوئی جس کی وجہ سے انہوں نے رومی گورنر سے مل کر ان کو مصلوب کرنے کی سازش کی۔ عیسائی عقیدے کے مطابق ان کو مصلوب کر دیا گیا لیکن وہ موت پر فتح پا کر تین دن بعد جی اٹھے اور حواریوں سے ملاقات کی۔ اس کے چالیس روز بعد وہ آسمان پر چلے گئے (رسولوں کے اعمال - ۱ - ۱۰ - ۱۱)

پولوس رسول

اس امر کے شواہد موجود ہیں کہ پال Paul یا پولوس رسول موجودہ مسیحی عقیدے کا

بانی ہے۔ اس کی تحریرات خطوط کی صورت میں عہدنامہ جدید میں موجود ہیں۔ پولوس کا کہنا تھا کہ انسان پیدائشی طور پر گنہگار ہے مسیح علیہ السلام نے صلیب پر اپنی جان کا کفارہ ادا کر کے انسانیت کو نجات دلائی اور ان کے لئے ہمیشہ کی آزادی اور لازوال زندگی حاصل کی (رومیوں کے نام خط، ۵: ۱۷ - ۱۹) پال ایک غیر فلسطینی یہودی تھا اور موجودہ ترکی کے علاقہ طرطوس میں تقریباً اسی زمانے میں پیدا ہوا جب حضرت مسیح کی پیدائش ہوئی اس نے رومن حکومت سے شہریت حاصل کی۔ یہ نہایت کٹر قسم کا فریسی یہودی تھا ابتداء میں اس نے عیسائیت کی سخت مخالفت کی لیکن شام کی طرف سفر کے دوران مسیح علیہ السلام اس کے سامنے ظاہر ہوئے جس کے بعد اس نے مخالفت ترک کر دی اس کے بعد اس نے بہت سے عیسائی معتقدات وضع کئے جو اب تک عیسائیت کی روح رواں ہیں ان میں مسیح کی الوہیت، خدا کا بیٹا ہونا، کفارہ وغیرہ شامل ہیں۔ اس کی تعلیمات کا ایک خاص پہلو یہ تھا کہ وہ تمام لوگ جنہوں نے مسیح کو مان لیا چاہے وہ توریت پر عمل پیرا ہوں یا نہ ہوں خدا کی نظر میں سچے ہیں (رومیوں کے نام خط ۶ : ۱۶)۔ اس کے نزدیک ایمان نجات کی بنیاد تھا[۴]۔

ابتدائی صدیوں میں میسحیت کو رومن حکومت نے بہت دبا کر رکھا اور عیسائیوں پر بڑے ظلم کئے رومن شہنشاہ نیرو (۵۷ - ۶۸ء) نے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔ اس کے بعد کے دور میں بھی رومن حکمرانوں نے عیسائیت کا قلع قمع کرنے کی کوشش کی لیکن چوتھی صدی عیسوی میں عیسائیت رومن حکومت کا سرکاری مذہب قرار پائی عیسائیت کی ترویج و ترقی میں رومن شہنشاہوں خصوصا قسطنطین (۳۱۲ء) اور تھیوڈ وسین (۳۷۸ء) کی مساعی کو گہرا دخل ہے۔

عیسائیت کے ابتدائی دور میں مسیح علیہ السلام کی ذات ان کی مصلوبیت اور دیگر عقائد کی بنیاد پر کئی فرقے اٹھے جنہوں نے اپنے افکار ونظریات کا پرچار کیا۔ واضح رہے کہ عہد نامہ جدید چار اناجیل، پولوس رسول کے مختلف کلیساؤں کے نام خطوط، عام خطوط اور یوحنا عارف کے مکاشفے پر مشتمل ہے یہ عیسائیوں کی مقدس کتاب بائبل ہے اس کو چوتھی صدی عیسوی میں یعنی مسیح علیہ السلام کے چار سو سال بعد موجودہ شکل دی گئی اس عہد (چوتھی صدی)

ہی میں سلطنت روما مشرقی اور مغربی حصوں میں بٹ گئی روم مغربی عیسائیت کا مرکز قرار پایا جہاں لاطینی زبان بولی جاتی تھی اور قسطنطنیہ مشرقی کلیسا کا مرکز بنا جہاں یونانی زبان عام تھی یہ دونوں مراکز سیاسی بالا دستی کے لئے ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تھے۔ یہ باہمی تنازعہ ۳۸۱ء میں قسطنطنیہ کی کونسل میں حل کیا گیا جہاں پانچ کلیسائی صوبے یا بطریق کے علاقے Patriarchates قائم کئے گئے جو روم، قسطنطنیہ، سکندریہ، انطاکیہ (شام) اور یروشلم پر مشتمل تھے۵۔

عیسائیت کی مختلف فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم اور داخلی شکست و ریخت کا عمل پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کے بعد زور پکڑ گیا سب سے پہلے عیسائی گروہوں نے قسطنطنیہ کے کلیسا کے خلاف بغاوت کی ایران کے عیسائی جن کو نسطوری Nestorian کہا جاتا ہے، آرمینا، شام کے یعقوبی، حبشہ اور مصر کے قبطی اور ہندوستان کے عیسائی گروہ اس کلیسا سے الگ ہو گئے ان کا الگ وجود اب تک قائم ہے۶۔

۱۰۵۴ء کے بعد وہ کلیسا جو مغربی علاقے روم کے تحت رہے رومن کیتھولک کہلائے ان کا دینی سربراہ پوپ تھا۔ جو پہلے محض روم کے بشپ کہلاتے تھے۔ وہ کلیسا جو رومن حکومت کے مشرقی علاقے میں واقع تھے ان کو مشرقی آرتھوڈوکس چرچ Eastern Orthodox Church کہا جاتا تھا۔ جن کی اپنی تنظیم اور سربراہ یعنی بطریق Patriarch تھا قسطنطنیہ، سکندریہ، انطاکیہ اور یروشلم کے اپنے بطریق Patriach تھے اور یہ پاپائے روم سے واجبی قسم کا تعلق رکھتے تھے تاکہ ان کی اپنی آزاد مذہبی حیثیت برقرار رہے۔ اس طرح سے مسیحی کلیسا دو بڑے حصوں میں تقسیم ہو گیا۷۔

موجودہ زمانے میں مشرقی آرتھوڈوکس کلیسا کے چار قدیم بطریق ہیں اور چار نئے بطریق ماسکو، سربیا، رومانیہ اور بلغاریہ کے لئے ہیں آزاد کلیسا یونان، قبرص، جارجیاء البانیا، فن لینڈ اور پولینڈ میں کام کر رہے ہیں۔

عیسائی فرقے اور جماعتیں

۱۰۵۴ء میں کلیسا میں جو عظیم انتشار رونماء ہوا اس کے تحت رومن کیتھولک اور

مشرقی آرتھوڈوکس چرچ علیحدہ ہو گئے۔ اس کے تقریباً پانچ سو سال بعد ۱۵۱۷ء میں عیسائیت میں بہت بڑی تفریق رونما ہوئی یہ پروٹسٹنٹ تحریک تھی اس تحریک نے عیسائی معتقدات، بائبل اور پوپ کے مذہبی اقتدار اعلیٰ پر سخت اعتراضات کئے اور آزاد خیالی اور آزاد روی پر مبنی ایک نئے فلسفہ وفکر کی بنیاد ڈالی۔ عیسائی دنیا دو بڑے کلیساؤں رومن کیتھولک (اینگلیکن Anglican) اور پروٹسٹنٹ میں تقسیم ہونے کے بعد اوران کی آگے کئی شاخیں بن گئیں۔

اینگلیکن چرچ

یہ چرچ، انگلینڈ، کنیڈا، نیوزی لینڈ وغیرہ میں موجود ہیں اور دنیا کے ۲۰ سے زیادہ ملکوں میں قائم ہیں۔ فہرست آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

پروٹسٹنٹ

بڑے بڑے پروٹسٹنٹ فرقے ۳۰ سے زیادہ ہیں اور پوری دنیا میں موجود ہیں ان میں ایڈونٹسٹ (Adventist)، کرسچن سائنس (Chritian Science)، یہواہ وٹنس (Yahovah Witness)، میتھوڈسٹ (Methodist)، پینٹی کاسٹل (Penticostal)، سالویشن آرمی (Salvation Army) وغیرہ مشہور ہیں۔ فہرست آخر میں ملاحظہ کریں۔

مشرقی آرتھوڈوکس چرچ

چار بطریق، قسطنطنیہ، سکندریہ، انطاکیہ، یروشلم ان کے مذہبی سربراہ ہیں۔

خودمختار Autocephalns

روس، رومانیہ، قبرص وغیرہ خودمختار کلیسا ہیں فہرست آخر میں درج ہے۔

آزادکلیسا Autononxes

فن لینڈ، چین اور جاپان آزاد کلیسا کہلاتے ہیں۔

اورنٹیل آرتھوڈوکس چرچ Oriental Orthodox Church

شام، قبطی چرچ، آرمینیا، شامی، ہندوستانی اور حبشہ کے چرچ اس میں شامل ہیں۔

یونی ایٹ Uniate

پولینڈ، یوکرائن، انطاکیہ وغیرہ۔

کلیسا کی اس تقسیم اور تفریق کے کئی عوامل تھے ان میں یورپ میں سائنسی فکر کا فروغ، مروجہ مذہبی عقائد سے بے زاری، معاشرتی انصاف، سیاسی افکار اور معاشی نظریات شامل تھے رومن کیتھولک چرچ قدیم سے چلا آرہا تھا اس لئے اصلاح پسندوں نے اس کے خلاف آواز بلند کی دراصل قرون وسطیٰ میں مغربی عیسائیت کی خامیوں اور قباحتوں کے خلاف آواز اٹھتی رہی تھی جس کو دبا دیا جاتا تھا۔ عام لوگوں کا خیال تھا کہ چرچ کے دینی رہنما، جاہ پرست، دنیا دار اور اقتدار کے بھوکے تھے ۱۵ویں صدی میں یورپ کے سیاسی انقلابات اور ملکی آویزشوں کے باعث کئی نئی ریاستوں کا ظہور ہوا ان کے سیاسیات میں عمل دخل کے نتیجے میں کلیسا کے خلاف بیزاری میں اضافہ ہوا۔ رومن کیتھولک کلیسا نے کئی بغاوتوں اور سیاسی تحریکوں کی درپردہ اعانت کی۔ یہی وہ عوامل تھے جن کے ردعمل میں سولھویں صدی کی تحریک اصلاح Reformation کا آغاز ہوا۔ ۸

تحریک اصلاح

چیکوسلاویکیا کے ایک پادری جان ہس (۱۴۱۵ - ۱۳۶۹) نے مذہبی طبقے کو دی جانے والی سہولیات اور مراعات کے خلاف آواز اٹھائی اس کے ساتھ ہی مذہبی طبقے کی بد اعتدالیوں، پوپ کے نظریہ معصومیت Infallability اور دیگر ''مذہبی خرابیوں'' پر تنقید کی گئی اس نے مطالبہ کیا کہ کلیسا کو سرکاری کنٹرول میں دے دیا جائے۔ مذہبی طبقے نے ان اصلاحات کو رد کر دیا پوپ کی معصومیت کے سوال پر ہس کی بڑی مذمت کی گئی اور ۱۴۱۵ء میں اس کو زندہ جلا دیا گیا۔

۳۱ر اکتوبر ۱۵۱۷ء کو جرمن راہب مارٹن لوتھر نے کلیسا کی اصلاح کے ایک پروگرام

کا آغاز کیا اسے پروٹسٹنٹ تحریک کا نقطہ آغاز قرار دیا جاتا ہے بہت سے کلیسا پوپ کی مذہبی سیادت کے خلاف متحد ہو گئے انہوں نے نجات کو ہر شخص کی اپنی ذمہ داری قرار دیا۔ یورپی ممالک کے بااثر طبقے، بادشاہ اور ریاستوں کے شہزادے پوپ کی بالا دستی سے نجات چاہتے تھے انہوں نے اس تحریک کی درپردہ حمایت کی تقریباً ڈیڑھ سو سال تک یہ کش مکش جاری رہی۔ تحریک اصلاح کے ابتدائی دور میں کونسل آف ٹرنٹ ۱۵۴۵ء میں بعض اصلاحات کے ذریعے پروٹسٹنٹ تحریک کو روکنے کی جدوجہد کی گئی جو زیادہ موثر ثابت نہ ہوئی اس کے ساتھ ساتھ مذہبی بنیاد پرست راہبوں یعنی جزوائیٹس Jesuits کے نئے فرقے نے اپنی مذہبی سرگرمیاں تیز کر دیں انہوں نے عیسائیت کی تبلیغ پر زور دیا اور ہندوستان، جاپان اور لاطینی امریکہ میں اپنے مشن قائم کئے پروٹسٹنٹوں کا حلقہ اثر یورپ تک محدود تھا انہوں نے ان ممالک میں کام کا آغاز نہ کیا تھا۔ انیسویں صدی میں یورپی سامراجیت کے استحصالی دور میں پروٹسٹنٹوں کو ان محکوم ممالک میں اپنی سرگرمیاں بڑھانے کا موقع ملا۔۹

انیسویں صدی ہی وہ دور تھا جب مختلف شعبہ حیات میں نئے افکار و نظریات متعارف ہوئے اور سائینس کے نئے افق نمودار ہوئے مذہب کے تنقیدی مطالعے کا شوق پیدا ہوا اور روایتی عقیدے پر جرح وتنقید شروع ہوئی اس کام کو بعض فلسفیوں نے آگے بڑھایا جن میں رینے ڈسکارٹس Rene Descartes ڈیوڈ ہیوم David Hume، عمانویل کانٹ Immanuel Kant پیش پیش تھے انہوں نے مذہبیات کی جگہ معقول پسندی Rationalism پر زور دیا۔ سائنس دانوں میں گلیلو Galilio اور ایزک نیوٹن Newton کے نام پیش پیش ہیں انہوں نے فطرت Nature کا مذہبی عقیدے کے برعکس سائنسی بنیادوں پر مطالعہ کیا۔ فنون لطیفہ، تاریخ اور ادب کے میدانوں میں بھی مذہبیات کی پسپائی ہوئی اور یورپ میں ایک روشن خیالی کے نئے دور Enlightenment کی بنیاد پڑی۔ اس تحریک کو فرانس اور جرمنی میں تیزی سے مقبولیت حاصل ہوئی۔ کانٹ (۱۷۲۷-۱۸۰۴) کے فلسفیانہ افکار اور انسانی فکر اور کائنات کے متعلق نظریات کے نتیجے میں بائبل میں مذکور تخلیق کے عقائد کو مسترد کر دیا گیا اور معجزات پر بحث کی گئی مادی فلسفہ وفکر کو ہیگل Hegel نے مزید جامع انداز میں پیش کیا انہوں نے عیسائیت، مذہبی پیشوائیت اور روایتی عقیدے کی

جگہ معقولیت، سائنسی اور تنقیدی فکر اور مادی ترقی پر زور دیا اور عیسائیت کے معتقدات کی جگہ انسانیت سے محبت کا درس دیا۔ انیسویں صدی کے فلسفی کامے AugusteComte (۱۷۹۸-۱۸۵۷ء) نے مذہبیات کی جگہ فلسفہ اور فلسفیانہ طرز فکر اپنانے کی ضرورت بیان کی۔ انہیں بنیادوں پر ہیگل اور کارل مارکس Karl Marx نے معاشرتی اور معاشی نظریات (سوشلزم اور کیمونزم) وضع کئے جدید افکار کے نتیجے میں عیسائیت کا زور اور اثر کم سے کم تر ہو گیا۔ مذہبی بیگانگی بڑھی اور لوگوں نے سیکولر نظریات اختیار کر لئے۔ مذہب ایک پرائیویٹ معاملہ قرار پایا۔ سائنسی نظریات کی روشنی میں مذہبی عقائد کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا اور اکثر عقائد کو سائنسی بنیادوں پر مسترد کر دیا گیا بائبل پر تنقید کی نئی راہیں نکلیں اور ماہرین لسانیات نے ثابت کیا کہ یہ الہامی کتاب نہیں جیسا کہ عام عیسائیوں کا عقیدہ ہے اور نہ ہی یہ الہام و وحی کی تائید سے مرتب ہوئی بلکہ یہ طویل انسانی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔[10] کلیسا کا اصرار تھا کہ ان نظریات کے فروغ کے نتیجے میں برائی، اخلاقی پستی اور بے راہ روی میں اضافہ ہو گا۔ انقلاب فرانس ۱۷۸۹ کے بعد عیسائیت مزید پسپا ہو گئی۔ پوپ، بشپ، ڈیکن اور دیگر مذہبی قائد اپنا روحانی اثر اور عوام پر اپنی بالا دستی کھونے لگے ان کے روایتی مذہبی حربے ناکام ثابت ہوئے۔[11]

رومن کیتھولک

مذہبی اصلاح کی تحریک کا بڑا نشانہ رومن کیتھولک عیسائیت اور پوپ کی ذات تھی۔ یورپی تہذیب کی ترقی اور رومن کیتھولک عیسائیت ایک ہی تصویر کے دو رخ تھے اب یہ دونوں الگ ہو چکے تھے مذہب اور سیکولر نظریات کے تصادم کے نتیجے میں یورپی معاشرہ دو بڑے گروہوں میں بٹ گیا۔ رومن کیتھولک کلیسا نے تبدیل شدہ معاشرے کی سماجی، معاشی اور اساسی ضروریات کا احساس کیا اور پوپ نے کئی فرمان جاری کئے جن کا مقصد معاشرتی انصاف اور سرمایہ دارانہ معاشرے میں آجر اور مزدوروں کے بہتر تعلقات کو پروان چڑھانا تھا۔ ان کے فرامین اور اصلاحی پروگرام کا مغربی معاشرے پر زیادہ اثر نہ ہوا کیونکہ یہ مقدس

فرمانوں کی حد تک محدود رہے اور کوئی عملی اقدامات نہ کئے گئے رومن کیتھولک کلیسا نے انفرادیت پسندی Individualism کے رجحان کے مقابلے میں اجتماعیت کا پرچار کیا اور اس بات پر زور دیا کہ انسان انفرادی حالت میں نہیں بلکہ معاشرے یا سوسائٹی میں رہ کر محفوظ رہ سکتا ہے اور کوئی معاشرہ اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک مقدس بائبل کے اصولوں کو نہ اپنائے۔[۱۲]

رومن کیتھولک کلیسا کو ۱۸۷۰ء میں ایک شدید مشکل سے دوچار ہونا پڑا پوپ نے اپنی معصومیت کا کھل کر اعلان کر دیا اس کے خلاف روشن خیال اور سیکولر ذہن کے افراد نے احتجاج کیا اور اس کا مقصد اپنی اور اپنے مذہبی طبقہ کی لوگوں پر گرفت کو مضبوط کرنے کا حربہ قرار دیا گیا۔ پوپ کے حکم پر ہر بڑے ملک میں کیتھولک ایکشن تنظیمیں بنائی گئیں تاکہ کیتھولک عقیدے کی تبلیغ کی جائے، کیتھولک سکول، مشنری ادارے بلکہ کیتھولک سیاسی پارٹیاں قائم کی گئیں۔ کلیسا نے کیتھولک لیبر یونین اور سیاسی اداروں کی مدد سے ایک تو بڑھتے ہوئے اشتراکی رجحانات کا مقابلہ کیا دوسرے اپنی مرضی کی سیاسی شخصیات کو حصول اقتدار میں ان کی ہر طرح سے اعانت کی۔[۱۳]

رومن کیتھولک چرچ نے ایشیاء و افریقہ کے محکوم اقوام کی یورپی سامراج کے خلاف تحریکوں میں کوئی حصہ نہ لیا۔ پہلی جنگ عظیم میں بنی ڈکٹ Benedict-XV (۱۹۱۴ - ۱۹۲۲) پوپ تھے جو اتحادیوں کے پرجوش حامی تھے ان کے بعد پائیس یازدھم Pius XI پوپ بنے جو دوسری جنگ عظیم کے زمانے ۱۹۳۹ء۱۹۴۵ میں کیتھولک فرقے کے مذہبی قائد تھے۔ ۱۹۵۸ء میں پوپ دوازدھم کیتھولک سربراہ بنے یہ یورپ کی ترقی کا دور تھا ان کے بعد جان ۲۳ XXIII پوپ کے منصب پر فائز ہوئے اور ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۳ء تک کیتھولک فرقے کے عظیم مذہبی رہنما کا فریضہ ادا کرتے رہے تیزی سے ابھرتے ہوئے نئے معاشی اور سیاسی تقاضوں کے تحت ۱۹۶۲-۱۹۶۵ء میں مذہبی کونسل Ecumenical Council کا انعقاد عمل میں لایا گیا جس کو ویٹکین دوم Vatican II کا نام دیا جاتا ہے پہلی ویٹکین کونسل ۱۸۶۹-۷۰ء میں منعقد ہوئی۔ اس کونسل نے کلیسا کے آئینی اور تنظیمی امور پر طویل بحث کی

اور کیتھولک عقیدے کی ترقی کے امکانات کا جائزہ لیا اس کونسل نے ایک اعلامیہ منظور کیا جس کو مذہبی آزادی کا اعلان Declaration on Religious Freedom کہا جاتا ہے یہ غیر کیتھولک خصوصاً پروٹسٹنٹ فرقوں کی سرگرمیوں اور آزادی کے لئے اختیار کیا گیا تھا اس کے ساتھ ہی ایک اور اعلان غیر عیسائیوں کے لئے منظور کیا گیا اس کو Declaration on Non-Christians کہتے ہیں اس کے تحت یہودیوں کو اس الزام سے بری کر دیا گیا کہ وہ مسیح علیہ السلام کو مصلوب کرانے میں ملوث تھے۔ اس اعلان کی اس لحاظ سے خاص اہمیت تھی کہ نام نہاد یہود دشمنی Anti-Semitism کی تحریک کو جن مذہبی بنیادوں پر ابھارا جاتا تھا اس بنیاد کو ختم کر دیا گیا۔ یعنی یہودی مسیحؑ کو مصلوب کرانے کے ذمہ دار تھے۔ کونسل میں اس اعلان پر شدید بحث ہوئی بعض لوگوں کا خیال تھا کہ کلیسا نے سیاسی مفادات کے حصول کے لئے مذہبی عقیدے کو قربان کر دیا ہے۔[۱۴]

یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ یورپ میں کیتھولک عیسائیت پروان چڑھتی رہی لیکن امریکہ میں بیسویں صدی کے اوائل تک پروٹسٹنٹوں اور یہودیوں نے اس کی راہ میں بڑی رکاوٹیں کھڑی کیں۔ اور اس کی ترقی کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔ رومن کیتھولک کلیسا نے رفتہ رفتہ سیاسی تال میل پیدا کر کے ان رکاوٹوں کو دور کیا۔ اس کے باوجود امریکی معاشرے میں کیتھولک عیسائیوں کو زیادہ پذیرائی حاصل نہیں ہوئی۔

پوپ جان ۲۳ کے بعد پوپ پال ششم (۱۹۶۳-۷۸) کے پاپائی دور کا آغاز ہوا۔ انہوں نے نظریاتی تبلیغ کی ضرورت کی پالیسی اختیار کی اور بشپوں اور دیگر مذہبی طبقوں کی مذہبی قوت میں اضافہ کیا ان کے جانشین جان پال اول صرف ۳۳ دن پوپ کے منصب پر فائز رہنے کے بعد انتقال کر گئے اور پولینڈ کے کارل ووجتالو Karl Wajtyla یعنی موجودہ جان پال دوم پوپ بنے۔ انہوں نے پر امن بقائے باہمی، رواداری اور انصاف کا ربانی طور پر بہت پرچار کیا۔ لیکن عملاً کوئی مثبت قدم نہیں اٹھایا۔ انہوں نے اسرائیل کی صیہونی حکومت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ بہتر تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی[۱۵]۔

پروٹسٹنٹ فرقے

مذہبی اصلاح کے بانیوں۔ مارٹن لوتھر ۱۴۸۳-۱۵۴۶، جان کالون ۱۵۰۹-۱۵۶۴ اور دیگر اصلاح پسندوں کے پیروکاروں نے اپنے اپنے نظریات کی بنیاد پر کئی نئے فرقے قائم کیئے ان میں پرسبیٹرین Presbyterian بپٹسٹ Baptist، موراوین Moravian، میتھوڈسٹ Methodist وغیرہ مشہور ہیں۔ سائنسی طرز فکر اور انسانیت دوستی Humanism کی تحریک نے عیسائیت کے روائتی عقیدے پر ضرب کاری لگائی اس کا ایک پہلو اٹھارھویں صدی کی بائبل پر تنقید کی تحریک تھی۔ بائبل کے بعض عالموں نے ثابت کیا کہ عہدنامہ قدیم کسی الہام یا خدائی کلام کے نتیجے میں معرض وجود میں نہیں آیا بلکہ قدیم اساطیری داستانوں، قصے کہانیوں، نیم تاریخی مواد اور سامی قوم میں مذہبی فکر کے ارتقاء کا دوسرا نام ہے اس کے ماخذ، مواد اور ترتیب کئی سالوں کی تصنیفی کاوش پر مبنی ہے جن کو پہلی صدی عیسوی میں مکمل تحریری صورت عطا کی گئی عہدنامہ قدیم کی کتب کے مسودات میں مختلف لوگوں نے مسلسل ردوبدل اور کانٹ چھانٹ کی۔ اس لئے مقدس نوشتے انسانی اذہان کی پیداوار ہیں۔ مسیحیت کے متعلق آزادانہ فکر رکھنے والوں میں بعض شاعر اور ادیب بھی پیش پیش رہے آرتھر ہف کلف Arthur Hugh Clough کی تحریرات اور ٹینی سن Tennyson کے ناول، اور ونسٹن چرچل کی تصنیف The Inside of the Cup میں اس آزاد طرز فکر کی جھلک نمایاں ہے انسانیت دوستی کی تحریک میں بعض یورپی یونیورسٹیوں کے پروفیسروں نے بھی حصہ لیا اگرچہ مسیحیت پر آزادانہ تنقید کے باعث بعض کو اپنی ملازمتوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ عہدنامہ جدید پر بھی بھرپور تنقید کا آغاز ہوا مسیح کی ذات، معجزات اور تعلیمات پر اعتراضات کا ایک لامتناہی سلسلہ قائم ہوا انگلستان میں ڈاکٹر ای ڈبلیو بارنز E. W Barnes بشپ آف برمنگھم، جرمنی میں پروفیسر ہارنک Harnack، فوگازارو Fugazzaro جن کا ناول The Saint بہت مشہور ہوا اور کئی دیگر محققین نے کیتھولک عقیدے پر نہایت سخت اعتراضات کئے پیرومیرونی Piero Maironi نے پوپ کو مخاطب کر کے کہا کہ کلیسا بیمار ہے اور یہ بیماری چار بد ارواح کو نکال کر دور کی جاسکتی ہے یعنی صداقت کو تسلیم کرنا، روحانی ظلم سے دست کش ہونا،

دنیاوی لالچ سے کنارہ کشی اور سستی اور کاہلی کا خاتمہ، پوپ نے ۱۹۰۷ء میں ان لبرل عناصر کے خلاف ایک نہایت سخت فرمان جاری کیا۔[۱۶]

انسانیت دوستی یا ہیومن ازم نے امریکہ میں زیادہ فروغ پایا ۱۹۳۳ء میں اس تحریک کے علمبرداروں نے ایک مینی فسٹو (Manifesto) جاری کیا جس میں مذہبی عقیدے کی بجائے انسانیت دوستی پر زور دیا ان خیالات کی ترویج کے لئے کئی اخلاقی اور ثقافتی تنظیمیں وجود میں آئیں اس طرز کی بعض تنظیمیں لندن میں بھی قائم ہوئیں انہوں نے انسانی فلاح و بہبود اور اخلاقی اصولوں کی پاسداری کا پیغام دیا لندن کی ساؤتھ پلیس سوسائٹی South Place Ethical Society نے اس تحریک کی ترقی کے لئے بہت کام کیا۔ پروٹسٹنٹ فرقوں نے ان خیالات کو بلاواسطہ تقویت دی ۔[۱۷]

پروٹسٹنٹ فرقوں کی تعداد اور ان کے معتقدات میں اتنا تنوع ہے کہ ان کو تفصیل سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بنیادی طور پر یہ پوپ کی مذہبی حاکمیت کے خلاف ہیں، بعض تثلیث اور کفارہ کے عقائد کا انکار کرتے ہیں، بائبل کو اپنے نقطہ نظر سے مانتے ہیں اور خاص طرز کی عبادات بجا لاتے ہیں۔ عموی طور پر ان کو غیر رومن کیتھولک، غیر آرتھوڈوکس وغیرہ کا نام دیا جاتا ہے ان کے مراکز یورپ اور شمالی امریکی کالونیاں تھیں لاطینی امریکہ کی اقوام زیادہ تر کیتھولک تھیں انیسویں صدی کے وسط میں افریقہ اور جزائر بحر الکاہل کی بعض اقوام کا پروٹسٹنٹ ازم کی طرف رجحان بڑھ گیا۔ شمال مغربی یورپ میں سیکولر قوتوں نے ان کو جنوبی کرہ ارض Northern Hemisphase کی طرف دھکیل دیا۔ بیسویں صدی سے افریقہ اور لاطینی امریکہ میں کیتھولک عیسائیت کی جگہ پروٹسٹنٹ تحریک لے رہی ہے اور یہ عمل جاری ہے۔ پروٹسٹنٹ فرقوں میں ہم صرف ان فرقوں کا تعارف پیش کرتے ہیں جن کو اصطلاحاً Marginal Protestant یا کنارے پر واقع فرقے کہا جاتا ہے ان میں یہواہ وٹنس، مارمون Marmon، کرسچن سائنس، برٹش اسرائیلی، سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے اپنے مخصوص عقائد ہیں یہ مسیح کی آمد ثانی پر زور دیتے ہیں اور بائبل کی اپنے نقطہ نظر

سے تفسیر اور تشریحات پیش کرتے ہیں ان کو ماننے والے بڑی تعداد میں دنیا میں موجود ہیں ان کا اپنا الگ مذہبی نظام ہے۔۱۸

یہواہ وٹنس Yahowah Witness

یہواہ وٹنس Jehovah Witness کی بنیاد چارلس تازرسل Charles Taze Russell نے ۱۸۷۲ء میں امریکہ میں رکھی۔ ۱۹۳۱ء تک انہوں نے اس کو انٹرنیشنل بائبل سٹوڈ ینٹس ایسوسی ایشن کا نام دیا اس کے بعد بائبل سے اپنا نام یہواہ وٹنس تلاش کر لیا۔ بائبل کتاب (یسعیاہ ۴۳ - ۱۰ - ۱۲) میں ہے کہ ''یہواہ نے کہا تم میرے گواہ ہو'' ۱۸۸۴ میں انہوں نے واچ ٹاور بائبل اینڈ ٹریکٹ سوسائٹی کی بنیاد رکھی یہ سوسائٹی بہت فعال ہے رسالہ واچ ٹاور سوسائٹی کا سرکاری ترجمان ہے اس کی بڑی وسیع اشاعت یعنی ۱۰۹۰ کروڑ ہے اور ۱۲۵ سے زائد زبانوں میں چھپتا ہے ایک اور رسالہ Awake بہت بھاری تعداد میں کئی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ یہواہ وٹنس فرقہ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور خدا کی تخلیق اول قرار دیتا ہے جو ایک لکڑی پر مصلوب کئے گئے (صلیب پر نہیں) اور مرکر جی اٹھے ان کا عقیدہ ہے کہ مسیح کی ہستی دنیا میں موجود ہے اور شیطان سے برسرپیکار ہے جو دنیا میں نہ نظر آنے والے حکمران کے طور پر حکومت کر رہی ہے مسیح اور شیطان کی جنگ میں آخر کار شیطان کو شکست ہو گی اور بچے کھچے لوگوں کے لئے دنیا جنت بن جائے گی۔ حق و باطل کی جنگ میں ۱۴۴۰ لاکھ منتخب لوگ بچ جائینگے۔

یہواہ وٹنس کا حکومت (امریکہ) سے کئی بار تصادم ہوا ان میں سے بعض امور بہت معمولی نوعیت کے ہیں مثلاً خون کا کسی جسم میں انتقال خدا کے قانون کی خلاف ورزی ہے۔ اگر کسی شخص کو حادثے یا بیماری کے باعث خون کی ضرورت ہو تو یہ فرقہ اس کی اجازت نہیں دیتا۔ البتہ یہ حکومت کے عام قوانین کو مانتے ہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ خدا کے قوانین حکومت کے قوانین سے بڑھ کر ہیں اس لئے اگر کوئی حکومتی قانون خدا کے قانون سے متصادم ہو تو خدا کے قانون کو ترجیح دی جائے گی ان کا کہنا ہے کہ ان کی زندگی خدا کے لئے ہے حکومت

کے لئے نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ فوج میں بھرتی نہیں ہوتے اور بہائی فرقہ کی طرح فوجی ملازمت کے خلاف ہیں۔

یہ امریکی جھنڈے کو سلامی دینے کی رسم کی مخالفت کرتے ہیں اس کو وہ بت پرستی قرار دیتے ہیں اور اس کو خدا کے حکم کی خلاف ورزی سمجھتے ہیں اس لئے نہ تو وہ جھنڈے کو سلامی دیتے ہیں اور نہ کسی وفاداری کی تقریب میں شامل ہوتے ہیں۔

یہواہ وٹنس اقوام متحدہ کے بھی خلاف ہے اور اس کو ختم کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ خدا کی بادشاہت کے خلاف ایک متوازی تنظیم کی صورت اختیار کر چکی ہے۔

یہ فرقہ کسی بین المذاہب کانفرنس میں شرکت نہیں کرتا اس کو خدا کے احکامات کی مخالفت تصور کیا جاتا ہے۔

فرقے کا ہر فرد منسٹر کہلاتا ہے یہ گھر گھر جا کر تبلیغ کرنے میں بڑی دلچسپی رکھتے ہیں پاکستان میں ''واچ ٹاور'' رسالے کا ایک اردو ایڈیشن ''مینار نگہبانی'' کے نام سے لاہور سے شائع ہوتا ہے جس میں خدا کی بادشاہت کے قیام پر مضامین شائع کئے جاتے ہیں اور فرقے کے دیگر عقائد کو مختصر مضامین کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ [19]

سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ Seventh Day Adventist

ایڈونٹسٹ کا کہنا ہے کہ مسیح کی آمد ثانی قریب ہے اس فرقے کا بانی ولیم ملر William Miller ایک کسان تھا اس نے ۱۸۳۳ میں اس عقیدے کا پرچار شروع کیا۔ وہ بائبل کے مطالعے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ کتاب دانیال میں آمد مسیح کی پیش گوئی موجود ہے۔ اس کا خیال تھا کہ مسیح علیہ السلام کی آمد ۱۸۴۳ میں ہوگی اس کے بعد اس نے یہ آمد ۲۲ر اکتوبر ۱۸۴۴ بتائی اس دن کی آمد سے قبل بہت سے لوگوں نے اپنے سامان فروخت کر دیئے اپنے مکانات اونے پونے داموں بیچ ڈالے کام کاج بند کر دیا اور سفید چوغے پہن کر پہاڑیوں کی چوٹیوں اور گرجا گھروں میں جا کر مسیح کی آسمان سے آمد کا انتظار کرنے لگے۔ اگرچہ مسیح نہ آئے لیکن اس فرقے کے لوگ مسلسل انتظار کر رہے ہیں۔ مسز ایلین وائٹ نے

ملر (Miller) کی تعلیمات سے متاثر ہو کر ان کا پرچار شروع کر دیا اور خود نبیّہ (Prophetess) ہونے کا اعلان کیا اس نے سیونتھ ڈے چرچ قائم کیا اور اتوار کی بجائے ہفتہ کو سبت کا دن مقرر کیا یہی عقیدہ سیونتھ ڈے بپٹسٹ (Baptist) کا ہے یہ لوگ سبزیاں استعمال کرتے ہیں اور کئی چھوٹی چھوٹی تنظیموں کے ذریعے آمد مسیح علیہ السلام کا پرچار کرتے ہیں۔ پروٹسٹنٹوں کے دیگر فرقوں کے ساتھ ان کے بہتر تعلقات ہیں [۲۰]۔

مارمون (Marmon)

انیسویں صدی میں ایک نئے چرچ کی بنیاد پڑی جس کا نام The Church of Jesus Christ of Latter Day Saints تھا ان کو مارمون کہا جاتا ہے اس کا بانی جوزف سمتھ Smith ۱۸۰۵-۱۸۴۴ء تھا اس نے اس فرقے کی بنیاد فیٹ ٹاون شپ مغربی نیویارک میں ۱۸۳۰ میں رکھی اور اپنے پانچ ساتھیوں کے ساتھ الہام کے حصول کا دعویٰ کیا مارمون کا دعویٰ ہے کہ صرف ان کا چرچ ہی حقیقت میں یسوع مسیح کا کلیسا ہے جو آخری زمانے Latter Days میں قائم ہوا ہے وہ بائبل کو خدا کے قدیم دنیا سے تعلقات کا ریکارڈ بتاتے ہیں اور اپنی الگ کتاب کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں وہ اپنے آپ کو محض عیسائی کہتے ہیں اور کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی تفریق میں نہیں پڑتے وہ مسیح کی کنواری مریمؑ کے بطن سے پیدائش کو مانتے ہیں، عالمی نجات پر یقین رکھتے ہیں تثلیث اور بپتسمہ کے قائل ہیں، شراب، کافی، چائے اور تمباکو استعمال نہیں کرتے ۱۸۲۰ء میں مذہبی افراتفری اور عقائد کے خلفشار کا سمتھ کے ذہن پر گہرا اثر پڑا اور اس نے حق کی تلاش کے لئے عبادات کا آغاز کیا اور دعاء کی کہ جو فرقہ سچا ہے اس کے متعلق خدا اس کی رہنمائی کرے اس کا دعویٰ تھا کہ اس کو خدا اور اس کے بیٹے یسوع مسیح نے بشارات دیں اور کہا کہ وہ کسی فرقے میں شامل نہ ہو تین سال بعد اس نے پھر خدائی ظہور کے لئے دعائیں کیں اور ایک فرشتہ اس کی خواب گاہ میں آیا اس نے اپنا نام مارونی بتایا۔ مارونی فرشتہ نے اس کو نیویارک کے قریب ایک پہاڑی پر بعض سونے کی تختیاں دکھائیں۔ چار سال بعد (۱۸۲۷) میں اس کو یہ تختیاں عطا کی گئیں۔ ان تختیوں پر قدیم امریکی تہذیب کی داستان کنندہ تھی ان میں مرقوم تھا کہ نبی لیحی Lehi اور ان

کا خاندان ۶۰۰ ق م میں بیت المقدس سے یہاں آیا اور نیو انگلینڈ میں قیام کیا انہوں نے یہاں ایک نئی تہذیب کی بنیاد رکھی۔ مسیح علیہ السلام واقعہ صلیب کے بعد یہاں ظاہر ہوئے اور یہاں اپنی ''بھیڑوں'' کو تبلیغ کی اور ان کو اپنے گلے میں شامل کیا جیسا کہ یوحنا رسول کی کتاب میں مرقوم تھا۔ یہ تہذیب داخلی جنگوں اور کرپشن کی وجہ سے مٹتی گئی۔

امریکہ میں مارمون کی بیسویں صدی میں سب سے بڑی مسیحی جماعت تھی جہاں سے کئی افراد کنیڈا چلے گئے۔ اونٹیریو اور البرٹا میں ان کے مضبوط مراکز اور ایک بڑا چرچ ہے یہ تقریباً تمام کنیڈا میں موجود ہیں اور مادیت کا پرچار کرتے ہیں۔[۲۱]

مارمون کا کہنا ہے کہ قدیم امریکی تہذیب رفتہ رفتہ تباہ ہوگئی۔ امریکی انڈینز (American Indians) کے آباء و اجداد اسی تہذیب کے وارث تھے موروثی ان کا آخری فرد تھا اس نے اپنے باپ سے یہ تختیاں لیں اور ان کو ۴۲۱ء میں محفوظ دیا۔ سمتھ (Smith) نے جب ان قدیم تختیوں کو حاصل کر کے ان کی عبارات کا انگریزی ترجمہ کیا تو کئی لوگوں نے ان کا معائنہ کیا اور ان کی صداقت پر اپنے حلفیہ بیان درج کئے ان میں سے کسی نے بھی بعد میں اس کا انکار نہ کیا۔

۱۸۳۰ء میں ان قدیم عبارات کو کتاب مارمون کے نام سے چھاپ دیا گیا اور ۶ر اپریل کو باقاعدہ طور پر چرچ کی بنیاد ڈالی گئی اس کے ہیڈ کوارٹر امریکی ریاستوں اوہیو، مسوری اور ایلی نائے میں قائم کئے گئے۔ مورمون نے ایک خوبصورت شہر تعمیر کیا جس کی آبادی ۲۰ ہزار تھی اس کا نام ناویو Nauvoo رکھا گیا۔ ۲۴ر جون ۱۸۴۴ء کو سمتھ اور اس کے بھائی کو متعصب عیسائیوں نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد برگم ینگ Brigham Young ان کا نیا سربراہ مقرر ہوا اس نے سالٹ لیک ویلی میں ایک شہر بسایا۔

مارمون نے ایک چرچ امریکی ریاست اوتاہ Utah میں قائم کیا لیکن ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کے عقیدے کی وجہ سے لوگ ان کے مخالف ہو گئے۔ نئے سربراہ ینگ (Young) کا کہنا تھا کہ خداوند مسیح نے بار بار ظاہر ہو کر اس کو اس بات کی اجازت دی ہے۔ ۱۸۹۰ء میں امریکہ کی سپریم کورٹ نے زیادہ شادیوں پر پابندی کا حکم جاری کر دیا جس کے نتیجے میں مارمون خفیہ طریقے سے شادیاں کرنے لگے۔

اس چرچ میں کوئی مذہبی طبقہ نہیں عام لوگ خود تبلیغ کرنے اور اس کا نظم ونسق چلانے کے ذمہ دار ہیں اس چرچ کا سربراہ صدر کہلاتا ہے جس کو نبی، پیش بین اور مورد الہام شخص کہا جاتا ہے جو چرچ کی روحانی اور دنیاوی زندگی کے لئے الہام کے تحت کام کرتا ہے اور خداوند مسیح سے رہنمائی حاصل کرتا ہے صدر کے ماتحت بارہ حواریوں کی ایک کونسل ہے کونسل تعلیمی ترقی، تفریح اور ثقافتی اور روحانی پروگرام مرتب کرتی ہے جس پر اساتذہ عمل کراتے ہیں انہوں نے روحانیت پر مبنی کئی پروگرام تیار کر رکھے ہیں جن پر نوجوانوں اور عورتوں کے دستے عمل درآمد کراتے ہیں یہ نوجوان مرد اور عورتیں اپنے خرچ پر کام کرتی ہیں۔

سالٹ لیک سٹی اوتاہ میں ان کا مرکز بڑی بڑی سرگرمیوں اور تقاریب کی آماجگاہ ہے۔[۲۲]

برطانوی اسرائیلی British Israelite

برطانیہ میں انیسویں صدی میں اس فرقے کا ظہور ہوا اس کا نظم ونسق ایک برٹش اسرائیل فیڈریشن کے پاس ہے بے شمار پروٹسٹنٹ فرقوں کے پیروکار اس میں شامل ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ برطانوی دولت مشترکہ کی اقوام اور امریکہ گم شدہ اسرائیلوں کی اولاد ہیں۔ خدا نے اسرائیل سے جو وعدے کئے ہیں وہ انہیں وراثت میں ملے ہیں خدا نے ان کو کہا تھا کہ وہ ان کے بچوں کو آسمان کے ستاروں کی طرح بڑھائے گا اور ریت کے ذروں کی طرح پھیلا دے گا اور یہ دشمنوں کے دروازوں پر قبضہ کر لیں گے۔ واضح رہے کہ ۷۲۲ ق م میں اسیریا کے شاہ شلمندر یا سارگن دوم نے اسرائیل کی شمالی سلطنت کو تباہ کر کے ۲۷ ہزار افراد کو جلا وطن کر دیا تھا۔ یہودی قوم پرستی کے احیاء کی تحریک جو انیسویں صدی میں تیزی سے ابھری اس کی آبیاری کے لئے گم شدہ قبائل کا مفروضہ کھڑا گیا اور مغرب اور مشرق کی کئی اقوام (افغان اور کشمیریوں) کو ان گم شدہ اسرائیلی قبائل کی اولاد بتایا گیا دشمن کے دروازوں سے ان کی مراد نہر سویز، جبرالٹر اور نہر پانامہ ہے۔[۲۳]

یہودی تحریک باطینت، برطانوی اسرائیلی اور یہواہ وٹنس کا بائبل کی پیش گوئیوں کی تشریح وتفسیر کا ایک سا انداز ہے وہ ان کی بنیاد پر آئندہ زمانے کے حالات کے بارے میں پیش گوئیاں تلاش کرتے ہیں۔ برطانوی اسرائیلی نسلی برتری کے قائل ہیں اور خدا کو ایک

قبیلائی دیوتا Tribal Deity کے طور پر پیش کرتے ہیں دراصل یہ مذہبی بنیادوں پر قائم کی گئی نسلی برتری کی ایک مذہبی تحریک ہے انہوں نے برطانوی نو آبادیت کے فروغ اور یہودی قومیت کے احیاء میں بھرپور حصہ لیا۔ ۲۴

کرسچن سائنس Christian Science

اس کی بنیاد ۱۸۷۵ء میں مسز میری بیکر ایڈی Mary Baker Eddy نے رکھی۔ یہ مذہبی عقیدے اور اشتراکی مفکر ہیگل کے فلسفے کا ملغوبہ ہے۔ جس کی ترویج بائبل کی بعض تشریحات پر رکھی گئی ہے مسز ایڈی ایک قابل منتظم تھی اس نے اپنے خاوند کی مدد سے اس تحریک کو بہت فروغ دیا۔ امریکہ میں ان کے سات سو سے زائد باقاعدہ چرچ ہیں ایسے ہی انگلینڈ میں کئی چرچ ہیں ان کا رسالہ کرسچن سائنس مانیٹر ۱۹۰۸ء سے جاری ہے اور بہت مقبول ہے امریکہ کے طول و عرض میں انہوں نے مطالعے کے لئے مراکز قائم کئے ہیں جہاں بائبل کے علاوہ ان کی اپنی کتاب رکھی ہوتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ منبع خیر یعنی خدا کی موجودگی میں برائی کا وجود قائم نہیں رہ سکتا ان کا مقولہ ہے کہ خدا سب کچھ ہے خدا اچھائی ہے اور اچھائی ذہن ہے خدا کی روح سب کچھ ہے اور مادہ کا کوئی وجود نہیں۔ عیسائیت کے روایتی عقائد خصوصاً حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کی بنیاد پر کرسچن سائنس کے فلسفے پر اعتراضات کئے جاتے ہیں کیونکہ وہ اس کے قائل نہیں لیکن ان مذہبی مباحث میں الجھنے کی بجائے یہ اپنے نظریات کو پھیلانے میں مصروف ہیں ان کے ہاں روحانیت اور ذہنی علاج معالجے Mental healing کے کئی پروگرام ہیں۔ مادیت کا فلسفہ ان کا پسندیدہ موضوع ہے دوسرا موضوع عالمی نجات کا تصور ہے۔ ۲۵

پینٹی کاسٹل Pente Costal

امریکہ، برطانیہ اور کینیڈا میں گزشتہ صدی میں پینٹی کاسٹل فرقے نے بھی کافی ترقی کی ہے یہ ایک اور فرقے میتھوڈسٹ کی شاخ ہیں یہ روح القدس کے نشانات اور الہام پر

یقین رکھتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ روح القدس اپنی برکات کا نزول کرتا ہے وہ ان سے غیر زبانوں میں کلام کرتا ہے اور انہیں بائبل کے تحائف یعنی عبادات، پیش گوئیاں اور روحانی علاج کرنے میں رہنمائی مہیا کرتا ہے یہ معجزات ظاہر کرنے کے دعویدار ہیں۲۶۔ پاکستان میں بدارواح نکالنے روحانی علاج کرنے اور لوگوں کے مسائل دعا اور عملیات سے حل کرنے میں اس فرقہ کے افراد پیش پیش ہیں یہ اخبارات میں اشتہار دیتے ہیں اور روحانی اجتماعات منعقد کر کے جسمانی امراض کا علاج کرتے ہیں۔ ان کے روحانی شفائیہ کروسیڈ میں مختلف مذاہب کے افراد شامل ہوتے ہیں جن کو مخصوص عقائد کی تبلیغ کی جاتی ہے۔

افریقہ اور لاطینی امریکہ

عیسائیت (کیتھولک اور پروٹسٹنٹ) کی اہم ترقی اور اس میں ابھرنے والے نئے رجحانات افریقہ اور لاطینی امریکہ میں تیزی سے پھیل رہے ہیں افریقہ میں عیسائیوں کی تعداد ۱۵۰ ملین سے زائد ہے یہ ایک بڑا مذہب ہے۔ بنتو زبان بولنے والے افریقی خاص طور پر عیسائی مذہب اختیار کر رہے ہیں۔ ڈیڑھ سو سال قبل یورپی سامراج کے افریقی مقبوضات میں عیسائیت کے چھوٹے چھوٹے گروہ تھے لیکن اب یہاں ان کی بڑی تعداد ہے اور ان کا مقابلہ اسلامی تنظیموں سے جاری ہے۔ کئی افریقی ممالک زائر، گھانا، ٹوگو، یوگنڈا، کینیا، روانڈا، برونڈی، زیمبیا، زمباوے، انگولا اور جنوبی افریقہ میں مسلم۔ مسیحی مذہبی تصادم زوروں پر ہے جس کے نتیجے میں افریقہ کا مذہبی تشخص متعین ہوگا۔ ۲۷

نو آبادیاتی دور میں عیسائی مشنریوں نے افریقی عوام کی پسماندگی اور محکومیت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ نو آبادیت کی سیاسی حکمت عملی، غلاموں کی تجارت اور معاشی استحصال نے عیسائیت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ افریقیوں کے اپنے قدیم مذاہب اور دیومالائی میں تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۸) تک پورے افریقہ میں عیسائی مشنریوں کا ایک جال بچھ چکا تھا افریقی عوام نے سیاسی بیداری، جمہوریت اور سامراج سے نجات حاصل کرنے کے لئے کئی سیاسی تحریکیں شروع کیں۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں افریقہ میں آزادی کا سورج طلوع ہونے لگا اس وقت سفید (انگریز) مشنری اکثر عیسائی مشنوں کے کرتا

دھرتا تھے۔

افریقی عیسائیت نے آزادی کے بعد ایک نئی کروٹ لی۔ اس کو آزاد چرچوں کے قیام کی تحریک کہا جاتا ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جن کو نائیجریا میں افریقی چرچ کہا جاتا ہے اور دوسرے کلیساؤں کو جنوبی افریقہ میں حبشہ کے چرچ کا نام دیا گیا ہے ابتداء ۱۸۹۱ء میں ایک متحدہ مقامی افریقی چرچ United Native African Church کا لیگوس میں قیام عمل آیا اور حبشہ کا چرچ Euthopean Church، پریٹویا جنوبی افریقہ میں ۱۸۹۲ء میں قائم ہوا۔ یہ مشن بیرونی کلیساؤں کے ساتھ عقائد کے اختلاف کے نتیجے میں قائم کئے گئے تاکہ مقامی قیادت کو آگے لایا جائے، قومی تحریکوں میں حصہ لیا جائے، ثقافتی اقتدار کا تحفظ کیا جائے اور خاص طور پر ایک سے زیادہ شادیاں کی جا سکیں۔ یہ چرچ رفتہ رفتہ میتھوڈسٹ بپٹسٹ اور دیگر کلیساوں سے الگ ہوگئے لوتھرین، اینگلیکن اور رومن کیتھولک چرچوں سے الگ ہونے والے ان آزاد چرچوں کی تعداد بہت کم ہے۔ انہوں نے اپنی انفرادیت پر بہت زور دیا۔

آزاد چرچوں کی تعداد افریقہ کے طور وعرض میں بڑھ رہی ہے گزشتہ صدی کی دوسری دہائی میں ان چرچوں میں مقامی عیسائی رہنماؤں میں سے کئی افراد پیش گوئیاں کرنے اور نبوت کے دعویدار بھی ہوئے ہیں کئی روحانی اور معالجاتی Healing چرچ کہلاتے ہیں۔ افریقہ کے جنوبی ممالک میں ان چرچوں کو صیہونی Zionist چرچ کہا جاتا ہے لیکن یہ اسرائیل کی تحریک صیہونیت کا چربہ نہیں بلکہ ان کا الگ تصور صیہون ہے نائیجریا میں ان چرچوں کو دعائیہ یا Aladura چرچ کہا جاتا ہے یہ چرچ زیادہ تر ایک پیش گوئی کرنے والے اور غیب بین (نبی) سے منسوب ہیں لیکن ان پر امریکی اور یورپی صیہونیت اور پینتی کاسٹل گروہ کا اثر ہے جیسا کہ کرسچن کیتھولک اپاسٹالک چرچ تھا جس کی ۱۸۹۶ء میں جان الیگزنڈر ڈوئی نے بنیاد رکھی (۲۹)۔ واضح رہے کہ انیسویں صدی کے آخری سالوں میں ڈوئی کے چرچ نے بہت مقبولیت حاصل کی ڈوئی کا تعلق ایڈنبرا آسٹریلیا سے تھا اس نے ایک خدائی علاج کی تنظیم قائم کی اور امریکہ کے علاقے شکاگو میں جھیل مشی گن کے کنارے ایک شہر صیہون قائم کیا اس نے الیاس نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ (یہ وہی ڈوئی ہے جس کو روحانی مقابلے کے لئے

مرزا غلام احمد قادیانی نے خطوط لکھے لیکن اس نے ان کو نظرانداز کر دیا) افریقہ میں قائم ہونے والے صیہونی چرچوں کا اس چرچ سے تاریخی رابطہ ہے عملاً کوئی تعلق نہیں۔

دوسری قسم کے آزاد چرچ یعنی حبشہ کے چرچ کا کوئی نظریاتی یا انتظامی طور پر حبشہ سے تعلق نہیں بلکہ بائبل (کتاب زبور ۳۱: ٦٨ اور اعمال ۲۸ میں ایک واقعہ کی نسبت سے انہوں نے یہ نام رکھا ہے ۲۹۔ کتاب اعمال میں ہے کہ فلپس کو خدا کے فرشتے نے دکن کی طرف جانے کا حکم دیا جہاں ایک حبشی خوجہ سے اس کی ملاقات ہوئی جو یسعیاہ نبی کا صحیفہ پڑھ رہا تھا فلپس نے اس کو مسیح کی آمد کی خوشخبری دی اس واقعے کی نسبت سے صیہون کو یہ چرچ خدا کے مقدس شہر کے قیام کی علامت سمجھتے ہیں جیسا کہ زبور ۱۲۲ سے ۱۳۴ میں مرقوم ہے۔

افریقہ میں صیہونی چرچ تیزی سے پھیل رہے ہیں ان کی ترقی میں غیب بینوں اور انبیاء کی مقامی قیادت کا گہرا دخل ہے یہ محروم طبقے کے چرچ کہے جاتے ہیں۔ ان کی قیادت ایک خاندان سے دوسرے خاندان منتقل ہو جاتی ہے اور کوئی بھی شخص ایسے چرچ کی بنیاد رکھ سکتا ہے اگر وہ پیش بینی کرے نبوت کا مدعی ہو اور روحانی علاج کر سکے۔ بیسویں صدی کے افریقی پیش بینوں میں شاید سب سے پہلا افریقی ایل۔ ڈبلیو ویڈ حارث L.W. Wade Harris تھا جو ایک سکول ٹیچر تھا۔ اس کا اپیں کوپل اور میتھوڈسٹ چرچوں سے تعلق تھا۔ اس کو بعض قابل اعتراض مذہبی سرگرمیوں کے باعث قید کر دیا گیا۔ قید کے دوران اس نے دعویٰ کیا کہ اسے جبریل علیہ السلام نے ظاہر ہو کر بشارت دی ہے کہ وہ ایک مبلغ بنے جیسے کہ یوحنا بپتسمہ دینے والے تھے۔ ۱۹۱۴ء میں اس نے جنوبی ایوری کوسٹ اور گھانا میں اپنا پیغام سنایا اس نے اپنے یورپی انداز رہن سہن کو بدل کر افریقی طرز حیات اپنا لیا۔ اس نے توحید کا ایک مخصوص عیسائی تصور وضع کیا، بد ارواح نکالنے کے دعویٰ کئے اور بائبل کی نئی تفسیر اور تشریحات پیش کیں اس نے سبت (ہفتہ) اور احکام عشرہ (موسوی) اپنانے پر زور دیا لیکن ایک شادی کی تعلیم نہ دی اس نے اپنا الگ چرچ قائم نہ کیا لیکن اپنے بارہ حواری مقرر کئے جو اس کی وفات کے بعد اس کا پیغام پھیلانے کے ذمہ دار تھے ۳۰۔

افریقہ کے ایسے مدعیوں کے تفصیلی حالات بیان کرنا مشکل ہے ان کے رؤیاء خواب، معجزات کے ذریعے علاج، بائبل کا اپنی مقامی زبان میں ترجمہ اور تفسیر ان افریقی

مبلغوں کی نبوت کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ جس علاقے سے ایسے شخص نے تبلیغ شروع کی اس کو صیہون یا نیا یروشلم کا نام دیا گیا اور جب وہ شخص وفات پا گیا تو اس کی قبر پر بیماروں کا شفایابی حاصل کرنے کے لئے تانتا بندھ گیا اور اس مقام کو زیارت گاہ بنا دیا گیا۔

افریقی عیسائیت کے جدید رجحانات کا تفصیلی محاسبہ مشکل ہے۔ آزاد چرچوں کے علاوہ باقی عیسائی سلسلوں کے تمام قسم کی امریکی چرچوں کی روایات مختلف کلیساؤں کے ذریعے افریقہ کے کئی علاقوں میں ترقی کر رہی ہیں اینگلیکن اثرات ان جگہوں پر غالب ہیں جہاں برطانوی سامراج کا تسلط تھا جیسے نائیجریا، یوگنڈا، کینیا اور جنوبی افریقہ، میتھوڈسٹ گھانا، زائر، زمباوے وغیرہ میں موجود ہیں پرسبیڑین کینیا اور ملاوی میں ہیں، بیپٹسٹ مشن زائر اور لائبریا میں قائم ہیں جنوبی افریقہ میں باقی چرچوں کے علاوہ پرتگالی اصلاح پسند چرچ، کافی اثر رکھتا ہے۔ تنزانیہ اور نمیبیا میں لوتھرن، اور سوازی لینڈ میں ناصری چرچ پایا جاتا ہے زیمبیا میں بعض چرچوں کو ملا کر ایک متحدہ چرچ بنایا گیا ۱۹۶۵ء میں آزادی کے بعد صدر کینتھ کوانڈا نے اس کی سرپرستی کی لیکن عوام میں ان کو پذیرائی نہ مل سکی کیونکہ آزاد کلیسا کی روایات بہت مستحکم ہیں[۱۳]۔

لاطینی امریکہ:

افریقہ کے بعد لاطینی امریکہ کی عیسائیت کا مطالعہ اہم ہے کیونکہ یہاں کی عیسائیت کئی طرح کے مذہبی و سیاسی رجحانات کی عکاسی کرتی رہی۔ کیتھولک چرچ جو روایتی طور پر قائم تھے ان کی جگہ پروٹسٹنٹ چرچ لے رہے ہیں جس کی چند ایک وجوہات ہیں:-

۱۔ امریکہ کے معاشی اور ثقافتی اثرات کے باعث عیسائی مبلغوں کو تبلیغ کے نئے مواقع ملے ہیں۔

۲۔ لاطینی امریکہ میں سماجی اور مذہبی ترقی نے مختلف عیسائی تنظیموں کو باہمی روابط استوار کرنے میں مدد دی ہے۔

۳۔ ایشیاء میں عیسائی مشنریوں کے لئے تبلیغ کے مواقع کی کمی کے باعث انہوں نے

لاطینی امریکہ کا رخ کر لیا ہے۔

۴- امریکہ میں چرچوں نے مضبوط معاشی بنیاد قائم کر لی ہے ان کا دائرہ اثر لاطینی امریکہ بن رہا ہے جہاں کئی لوگوں کو ملازمت کے مواقع مل رہے ہیں اور بہت سا سرمایہ صنعتوں میں لگایا جا رہا ہے۔

پروٹسٹنٹ مشنری لاطینی امریکہ کے سیاسی حالات کے مطابق اپنی حکمت عملی وضع کرتے ہیں وہ یا تو سٹیٹ کے مکمل فرمانبردار بن کر رہتے ہیں اور کسی قسم کی تحریک میں حصہ نہیں لیتے یا وہ سماجی معاملات میں سٹیٹ پر دباؤ ڈالتے ہیں یا غیر منصفانہ نظام کو بدلنے کی تگ ودو میں حصہ لیتے ہیں۔

پروٹسٹنٹ مذہبیات رفتہ رفتہ ابھر رہی ہیں انہوں نے ایک تحریک چرچ اینڈ سوسائٹی ان لیٹن امریکہ کے پلیٹ فارم سے نظریہ آزادی Liberation Theology کے نام سے معاشی اور سماجی انصاف کا تصور وضع کیا ہے جس کے بہت سے ترجمان ارجنٹینا، برازیل، کیوبا وغیرہ میں سرگرم عمل ہیں[۳۲]۔

ہندوستان اور پاکستان

ہندوستان میں عیسائی مشنریوں کی تبلیغی سرگرمیوں خصوصاً پسماندہ اقوام ولت (Delit) یا اچھوتوں میں ان کی تبلیغ کے بہتر نتائج کے باعث انتہاپسند ہندو تنظیمیں ان کی مخالف ہیں اور ان پر آئے دن حملے کئے جاتے ہیں انگریز کے دور محکومیت میں عیسائی مشنریوں کو ہر قسم کا تحفظ حاصل تھا رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ چرچ اپنے مبلغوں کی بڑی تعداد یورپ اور امریکہ سے درآمد کر کے ہندوستانی معاشرے میں مذہبی انتشار پھیلاتے تھے۔ ان مشنوں کو سامراجی اقتدار کے فروغ و استحکام میں سرگرم سامراج کے ہراول دستوں کا نام دیا جاتا تھا۔ ان مشنریوں نے ہندوستان کے طول وعرض میں نہایت جارحانہ انداز میں تبلیغ کی جس کے جواب میں مسلمانوں اور بعض ہندو تنظیموں نے ان کا مقابلہ کیا اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مناظرانہ مواد تیار کیا۔

آزادی کے بعد ان چرچوں کو خودمختار حیثیت دی جاتی رہی۔ پہلے رومن کیتھولک

چرچ نے بمبئی میں اپنا کارڈنیل ولارین گریشیاش Valarian Gracias ہندوستانیوں سے مقرر کیا رفتہ رفتہ کئی چرچوں نے اپنی آزادانہ حیثیت قائم کر لی۔ ہندوستان میں مسیحی آبادی کا بڑا حصہ جنوب میں ہے اور ناگالینڈ میں ان کی اکثریت ہے۔ ان کی مجموعی شرح افزائش میں ۱۹۹۱ء کے اعداد و شمار کے مطابق کمی ہوئی ہے اور یہ 2.4 فیصد سالانہ سے گر کر 2.3 فیصد سالانہ ہوگئی ہے۔ پاکستان میں عیسائیوں کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔ ان کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا جاتا ہے۔ ان سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا بلکہ ہر طرح کی دلجوئی کی جاتی ہے۔ مشنری اداروں نے تعلیم، علاج اور دیگر سماجی شعبوں میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں بعض متعصب اور کوتاہ نظر مستشرقین کے اسلام کے خلاف لایعنی خیالات اور بے بنیاد تنقید سے ملک کا مذہبی طبقہ اظہار نفرت اور مذمت کرتا ہے اور ان کے دلوں میں یہ احساس اجاگر کرتا ہے کہ مسیحی دنیا مسلمانوں اور اسلام کے خلاف جذبہ عناد رکھتی ہے۔ حکومت پاکستان نے عیسائیوں کے لئے جداگانہ انتخابات اور نشستوں کے تعین جیسے سیاسی مسائل حل کر کے ان کو پارلیمنٹ میں سیاسی نمائندگی دی ہے تاکہ وہ خود کو پاکستانی معاشرے میں برابر کے شہری سمجھیں اور اس وہم میں مبتلا نہ ہوں کہ ان کے خلاف کوئی امتیاز برتا جاتا ہے۔

مسلم۔مسیحی مذاکرات

گزشتہ سالوں میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذہبی تعلقات بہتر بنانے اور ان کے درمیان مفاہمت اور رواداری کے جذبات پیدا کرنے کے لئے کئی مسلم اور مسیحی رہنماؤں نے اپنے اپنے طور پر بعض تجاویز پیش کی ہیں۔ اس ضمن میں کئی سیمنار، مباحثے اور ڈائیلاگ منعقد کئے گئے پوپ جان پال دوم نے بھی اسی نوعیت کی اپیل کی[۳۳]۔ عیسائی دنیا کا یہ اقدام عمومی طور پر خوش آئند سمجھا جاتا ہے اگرچہ اس کے لئے بہت سا کام کرنا باقی ہے۔ افہام و تفہیم اور باہمی اعتماد کی فضا قائم کرنے کے لئے دونوں مذاہب کے سرکردہ افراد مخلصانہ کوششیں کریں تو یہ مقصد کسی حد تک پورا ہوسکتا ہے۔ عیسائیت کو مغرب کی پشت پناہی حاصل ہے اور مسلمانوں کے سیاسی مسائل کے بارے میں ان کا رویہ مغرب زدہ ہے ایسی فضاء میں مسلمانوں کے رویہ میں لچک پیدا ہونی مشکل ہے۔ مسیحی دانشوروں نے مسلم دنیا سے اتحاد

کے لئے کئی یک طرفہ تجاویز تو پیش کی ہیں لیکن معاملے کی اصل نوعیت کو اجاگر نہیں کیا بلکہ جہاں کہیں ایسی کانفرنسیں یا سیمنار منعقد ہوئے وہاں انہوں نے اپنے نقطہ نظر اور مطالبات کو فوقیت دی۔ ۱۱/ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد مغربی دنیا کی پالیسیوں اور افغانستان اور عراق میں امریکہ حملوں نے فضاء کو مزید خراب کر دیا ہے اس لئے ایسا کوئی اقدام، تجویز یا طرز فکر قبولیت عامہ حاصل نہیں کر رہا۔

باہمی مذاکرات اور افہام وتفہیم کے فروغ کے لئے ضروری ہے کہ فریقین کے درمیان اعتماد کی فضاء قائم ہو۔ اس اعتماد کو صدیوں کی تاریخ کے تناظر میں دیکھا جائے تو کئی قسم کے سوالات سامنے آتے ہیں مثال کے طور پر صلیبی جنگیں اور ان کے بعد یورپ کی نو آبادیت کا دور جس کے نتیجے میں ایشیاء وافریقہ کی اقوام کو محکوم بنا کر ان کے قدرتی وسائل کو بے دردی سے لوٹا گیا۔ معاشی استحصال کے علاوہ ان اقوام کا مذہبی استحصال بھی کیا گیا۔ یورپ کے کلیساوں نے بے شمار مبلغوں کو ایشیاء وافریقہ میں تبلیغ کے نام پر روانہ کیا انہوں نے ان اقوام کی سیاسی محکومیت، معاشی زبوں حالی اور انسانی کمزوریوں سے خوب خوب فائدہ اٹھایا اور کئی لوگوں کو عیسائی بنایا۔ یہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا جس کے نتیجے میں ان معاشروں میں مسیحیت کے خلاف ایسا ردعمل پروان چڑھا جس کی گونج آج تک سنائی دے رہی ہے سب سے بڑھ کر باہمی عدم اعتماد اور عدم رواداری کی ایسی فضا قائم ہوگئی جو مشکل سے ختم ہوگی۔ بیسویں صدی میں ایشیاء وافریقہ کے محکوم عوام آزادی کی جدوجہد کرتے رہے لیکن عیسائی مشنریوں نے ان کے جائز سیاسی مطالبات اور آزادی کی تحریکوں میں ان کا بہت کم ساتھ دیا ان کے اس منفی طرز عمل نے باہمی مخاصمت اور تصادم کی فضا کو برقرار رکھا۔ اس زمانے میں ٹنوں کے حساب سے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں لٹریچر تیار ہوا کئی ادارے اور متعصب مستشرقین کا ایک گروہ محض اس کام میں لگا رہا کہ وہ اسلام کے خلاف لایعنی اعتراضات اور بے مقصد نظریات پیش کر کے اسے بدنام کرے اور لوگوں کے دلوں سے نبی کریم ﷺ اور قرآن کی عظمت کو محو کرے۔

یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے مختلف سیاسی ادوار میں ان متشرقین کے انداز ''تبلیغ و

اشاعت'' بدلتے رہے ہیں۔ ایشیائی اور افریقی عوام کی آزادی کے بعد مستشرقین نے اس بات کو بار بار دہرایا کہ مسلمانوں کی معاشی بدحالی کا ذمہ دار اسلام ہے اور مغرب کی ترقی عیسائیت کی وجہ سے ہے انہوں نے نوآبادیت کی سیاسی چیرہ دستیوں یا معاشی استحصال بلکہ محکوم اقوام کی جدوجہد آزادی پر پردہ ڈالنے کے لئے منفی نوعیت کے پروپیگنڈے کو پھیلایا حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ نوآبادیاتی دور کی لوٹ کھسوٹ اور اسلامی اقدار کا گلا گھونٹنے کی سامراجی پالیسیوں کے باعث مسلمان سیاسی اور معاشی بدحالی کا شکار ہوئے۔ مغرب نے ان کے وسائل کو لوٹ کر ترقی کی۔ انہوں نے اپنی عملی زندگی سے عیسائیت کو خارج کر کے اس کو ایک پرائیوٹ معاملہ بنا دیا۔ لیکن مسلم معاشرے پر اپنے نظریات مسلط کرنے کی جد وجہد جاری رکھی سائنسی ترقی اور مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحان نے مغربی ممالک میں عریانی اور اخلاقی بے راہ روی کو عروج تک پہنچا دیا ہے۔ یہ سوال بہت اہم ہے کہ جب مسلم۔ مسیحی باہمی افہام وتفہیم کی بات کی جاتی ہے تو اس کے لئے مغرب کونسی بنیاد فراہم کرتا ہے اور کونسے اصول یا عقائد بیان کئے جاتے ہیں جن پر مسلمان اور عیسائی متفق ہوں؟ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ عیسائیوں کے بے شمار فرقے ہیں کونسا فرقہ کس بات پر مسلمانوں کو اپنا ہمنوا بنانا چاہتا ہے تاکہ مسلمان اس فرقے کی تعلیمات کو درست سمجھیں اور ان پر اعتراض نہ کریں۔ کیا ایسا کوئی مرکزی ادارہ حکومت یا ایجنسی ہے جو اس قسم کی تفہیم کو فروغ دے یا اگر کچھ باتوں پر اتفاق ہو تو ان پر عمل درآمد کرائے۔ ایسا کوئی ادارہ نہ تو موجود ہے اور نہ ہی قائم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی طرح کی افہام وتفہیم کو فروغ دے سکتا ہے۔

مغربی مفکر جیکوس وارڈنزنگ نے اسلام اور عیسائیت پر ایک مقالہ لکھا ہے جس میں وسط بیسویں صدی کے بعد سے مسلمان محققین کی عیسائیت کے متعلق بعض تحریرات کا جائزہ لیا ہے اور بعض مشترک باتوں کو پیش کیا ہے جن کو مان کر عیسائیوں اور مسلمانوں میں ایک طرح کا اتفاق رائے پیدا کیا سکتا ہے[۳۴]۔ اپنے ابتدائی ریمارکس میں انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان دو جماعتوں میں طاقت کا توازن بدل گیا ہے اس لئے مسلمانوں کی عیسائیت کے متعلق سوچ تبدیل ہوگئی ہے مسلمانوں نے نئے طرز استدلال کے تحت عیسائیت

کا مغربی استعمار سے رابطہ جوڑ دیا ہے اور عیسائی معتقدات اور اقدار جو مغرب میں پروان چڑھے ان پر سخت تنقید کی ہے اس کی مثال دیتے ہوئے انہوں نے ۱۹ ویں صدی عیسوی میں جمال الدین افغانی کے افکار اور مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی تحریرات کی طرف توجہ دلائی ہے اور اسے ایک نئے دور کا آغاز بتایا ہے جو مسلمانوں کے فکر نو پر مبنی ہے۔

جیکوس نے ۱۹۵۰ء کے بعد عیسائیت پر لکھے گئے بعض مقالات کا تجزیہ کے لئے انتخاب کیا ہے اور دس مسلم مفکرین کی تحریرات کو سامنے رکھ کر بعض نتائج اخذ کئے ہیں ان میں محمد کامل حسین (مصر)، سید وحید الدین (بھارت)، شبیر اختر (پاکستان)، محمد ارکون (ملائیشیا)، حسن عسکری (بھارت)، عبدالمجید چرفی (تیونس)، پرنس حسن (والی اردن)، علی مراد (الجیریا)، سید حسین نصر (ایران) حال مقیم امریکہ اور محمد طالبی (تیونس) کے نام لئے ہیں ان کے مختلف رسائل و جرائد میں مضامین و مقالات اور ان کی کتب کی روشنی میں مسلم۔ مسیحی اتحاد کے بعض پہلو تلاش کئے ہیں اس تمام بحث کے بعد انہوں نے ایک بنیادی سوال اٹھایا ہے کہ ان مصنفین کے افکار و نظریات مسلم دنیا کے خیالات کی کہاں تک نمائندگی کرتے ہیں اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ بہت زیادہ نہیں، بلکہ بہت کم کیونکہ ان میں پانچ مصنفین (پروفیسر ارکون، عسکری، ایوب، مراد اور نصر) مسلم دنیا سے باہر رہتے ہیں لیکن مغرب میں کام کرنے سے ہم ان کے مسلم فکر میں ان کے حصہ کو مسترد نہیں کر سکتے جو پانچ مصنفین مسلم دنیا میں کام کر رہے ہیں تین تیونس میں ہیں اور ایک ایک اردن اور ملائیشیا میں ہے۔ ممکن ہے یہ ممالک پوری دنیا کے نمائندہ نہ ہوں لیکن کسی نہ کسی تبدیلی کا کہیں نہ کہیں سے آغاز ہونا چاہئے یہ جہاں کہیں سے ہو اور جب کبھی ہو یہ زیادہ فروغ پائے یا نہ پائے بہرحال ایک مثبت اقدام ہے۔ جیسا کہ اس مقالے کے عنوان سے ظاہر ہے کہ جیکوس نے عیسائیت پر مسلم نقطہ نظر سے بحث کی ہے اور باہمی فکر میں جو تبدیلیاں اور تنوع رونما ہوا ہے صرف اس کا ذکر کیا ہے۔ اس بات سے اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کے بعض حصوں میں اور کچھ مسلم دانشوروں کے ذہنوں میں مروجہ عیسائیت کا نہایت مختلف قسم کا تصور ہے اور اس کے بارے میں نیا فکر جنم لے رہا ہے[۳۵]۔

مسیحی مسلم ڈائیلاگ[۳۶] کے متعلق گذشتہ صدی کے نصف میں جب مغربی استعمار

ایشیا و افریقہ سے سیاسی طور پر پسپا ہو رہا تھا اور مظلوم اقوام آزادی حاصل کر رہی تھیں بعض عیسائی رہنماؤں خصوصاً رومن کیتھولک چرچ نے اپنی تجاویز پیش کیں۔ دوسری ویٹیکن کونسل نے پوپ کی رہنمائی میں اس تجویز پر گفت وشنید کی ضرورت کو تسلیم کیا ۱۹۶۹ء میں مسلمانوں اور عیسائیوں میں غور وفکر کے رہنما اصول مرتب کئے گئے ۳۷۔ کونسل کے انعقاد کے ایک عشرے بعد ۱۹۶۹ء میں موجودہ فعال مذاہب اور نظریات پر مبنی ادیان کے نمائندوں کے ساتھ افہام وتفہیم کے لئے رہنما اصول بنائے گئے۔ اس کے بعد ڈائیلاگ اور اعلان ۳۸ اور دیگر تجاویز اور آراء منظر عام پر آئیں ان میں بنیادی طور پر اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ یہ مذاکرات عقائد کے مجموعوں یا مذاہب کے درمیان نہ ہوں بلکہ ان انسانوں کے ساتھ ہوں جو اپنے ماضی سے متاثر ہیں جن کا اپنا طرز فکر ہے اور شخصی رجحانات ہیں ۳۹۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رومن کیتھولک چرچ اپنے مذہبی نظریات اور عقائد پر کسی قسم کی بات کرنے کی بجائے مذاکرات کا رخ سیاسی سماجی اور معاشی مسائل کی طرف موڑنا چاہتا ہے۔ مسلم دنیا کا ان مسائل پر اپنا الگ نقطہ نظر ہے ان کا کہنا ہے کہ یورپی عیسائی مشنریوں کو فراخ دلی سے مالی امداد مہیا کرتے ہیں جن کی بنیاد پر انہوں نے ایشیا و افریقہ میں تبلیغی جال بچھا رکھے ہیں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ممالک خود عیسائیت پر قوی یقین رکھتے ہیں یا انہوں نے مادی وسائل ان عیسائی مشنریوں کو بعض دیگر مقاصد کی تکمیل کے لئے مہیا کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔ مسلمانوں کو اس بات کا قوی احساس ہے کہ یہ حکومتیں مسلم ممالک کے وسائل کو لوٹنے ان کو محکوم بنانے اور ان کی معاشی و سیاسی ترقی میں رکاوٹیں ڈالنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتیں انہوں نے مسلم دنیا میں اخلاقی پسماندگی، فکری انحطاط اور اجتماعی انتشار کے کانٹے بوئے۔ انڈونیشیا میں مشرقی تیمور اور بعض دیگر جزائر میں ان کی سرگرمیاں نہایت تشویش کا باعث ہیں۔ اپنے آقاؤں کے سیاسی مفادات کے تحفظ کے لئے انہوں نے این جی اوز کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی فعال قوتوں اور ان کی قومی جدوجہد کو سبوتاژ کرنے کی پالیسیاں اپنا رکھی ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں بائیبل ہے لیکن ان کے درپردہ عزائم سیاسی و معاشی ہیں۔ کیا

ان کو خود معلوم نہیں کہ گذشتہ صدیوں میں خود ان کے محققین اور ناقدین نے مروجہ عیسائیت اور اس کی تعلیمات پر کیا کیا اعتراض کئے ہیں اور کس طرح ان کے تانے بانے کو بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلام ایک فعال اور مثبت قوت ہے اس کے اندر داخلی توانائی اور سعید روحوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت ہے اس لئے عیسائیوں کے مربی اور سرپرست ممالک اسلام کی متحرک قوتوں کو مفلوج کرنا چاہتے ہیں۔ عیسائیت کو وہ ایک حربہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں وگرنہ ان کا ان تعلیمات پر اپنا یقین مستحکم نہیں گذشتہ سال رومن کیتھولک بشپوں اور کلیسا کے دیگر اعضا و جوارج نے جو اخلاقی پستی اور جنسی جرائم کی داستان مرقوم کی اور جس طرح انگلستان اور یورپ کے آزاد اور سیکولر اخبارات نے ان کی تفاصیل شائع کیں ان کی روشنی میں لوگوں کا عیسائیت پر یقین متزلزل ہو چکا ہے۔

مسیحیت کے عقائد اور فلسفہ پر بہت بحث ہو چکی ہے۔ عیسائی دنیا کے اصل استعماری مقاصد واضح ہو چکے ہیں۔ ان کے ہراول دستوں یعنی مشنریوں کے ایشیاء، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں سیاسی عزائم کھل کر سامنے آ چکے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ عیسائی مشنری ادارے، عالیشان گرجے اور کلیسا کے متمول اہلکار اپنے مخصوص ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں وہ مذہب کو ایک حربہ سمجھتے ہیں وہ خود مسیحیت کے ترجمان نہیں۔ ان کا صیہونیت سے اتحاد ہو چکا ہے۔ اسی لئے ایک مشترکہ ایجنڈے پر عمل پیرا ہیں۔

مسیحی مسلم ڈائیلاگ کی نیو اٹھانے سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ عیسائیت اور اسلام کے بنیادی معتقدات میں کیا فرق ہے۔ یہ فرق جتنا وسیع ہوگا باہمی اتحاد اتنا ہی مشکل ہو جائے گا۔ یہ بات اہم ہے کہ اسلام حضرت عیسی علیہ السلام کو نبی، رسول اور مسیح مانتا ہے۔ مسلمان ان کی رسالت اور کے معجزات پر ایمان رکھتے ہیں ان کی والدہ محترمہ بی بی مریمؑ کو گناہوں سے پاک نیک اور صالح خاتون مانتے ہیں جو خدا کی قدرت سے حاملہ ہوئیں اور حضرت عیسیٰؑ نے کبھی یہ تعلیم نہ دی کہ وہ انہیں خدا کا بیٹا مانیں اور خدا کی وحدانیت کا انکار کریں۔ عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کا قرآن نے انکار کیا ہے اور عیسائیت کے دیگر اساسی

عقائد کی نفی کی ہے اس ضمن میں ہم عیسائیت اور اسلام کے اہم عقائد کا موازنہ پیش کرتے ہیں۔

۱- تثلیث: عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ باپ، بیٹا اور روح القدس تین اقانیم ہیں لیکن یہ تین اقانیم ایک بھی ہیں ہر اقنوم باپ (خدا)، بیٹا (حضرت مسیحؑ) اور روح القدس الگ الگ خدائی صفات کا حامل ہے۔ اسلام خالص توحید اور خدا کی وحدانیت پر زور دیتا ہے۔ سورہ اخلاص میں اس کی پوری وضاحت کردی گئی ہے اس کے ساتھ ہی خدا نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے۔ یہی تعلیم قدیم انبیاء بنی اسرائیل نے دی تھی لیکن عیسائیوں نے اس تعلیم کو یکسر بدل دیا۔

۲- گناہ: عیسائیت انسان کو پیدائشی گنہگار مانتی ہے۔ ان کے نزدیک حضرت آدمؑ نے گناہ کا ارتکاب کیا اور یہ گناہ انسان کو وراثت میں ملا اسلئے ان کے خیال میں انسانیت گناہگار ہے۔ قرآن انسان کے شرف کو برقرار رکھتا ہے اور اسے خدا کا زمین پر نائب قرار دیتا ہے جس کو اس نے احسن تقویم کے طور پر پیدا کیا۔ شرف اور تکریم انسانیت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔

۳- کفارہ: عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے صلیب پر جان دے کر ان کے گناہوں کا کفارہ ادا کردیا۔ اسلام خدا کو غفور و رحیم قرار دیتا ہے۔ اس کی رحمت بہت وسیع ہے جو سب چیزوں پر حاوی ہے۔ اس لئے اسلام میں کفارہ کا کوئی تصور نہیں۔ خدا عادل ہے ہر شخص اپنے افعال و اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ کفارہ کے عقیدے کی آڑ میں عیسائیوں نے اپنے گناہوں کا بوجھ مسیح علیہ السلام پر ڈال دیا ہے حالانکہ حضرت مسیح نے اس کی کوئی تعلیم نہیں دی۔

۴- شریعت: مروجہ عیسائیت جو زیادہ تر پولوس رسول کی تعلیمات پر مبنی ہے شریعت کو لعنت قرار دیتی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے ان کو شریعت پر عمل پیرا ہونے سے بچایا اور ایمان وعقیدہ پر زور دیا۔ جبکہ اسلام شریعت پر کاربند ہونے کو نجات کا ذریعہ

بتاتا ہے۔ خدا نے اپنے انبیاء کے ذریعے شریعتیں نازل کیں اور انسان کو ان پر کاربند ہونے کی تلقین کی۔ اسلام شریعت کو انسانوں کے لئے ہدایت اور رحمت قرار دیتا ہے۔ انسانی معاشرے میں اتحاد و یگانگت، نیکی وتقویٰ اور اعلیٰ انسانی اور اخلاقی اقدار کے لے فروغ کیلئے شریعت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ خدا نے اس بات کی وضاحت کردی کہ وہ کسی انسان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا اسلئے شریعت کے احکامات پر عمل کرنا انسان کے بس کے اندر ہے اس کا کوئی ایسا حکم نہیں جس پر انسان عمل کرنے سے عاجز اور قاصر ہو۔

۵- نجات: کفارہ کے عقیدے سے منسلک عقیدہ نجات ہے۔ عیسائیت نجات کے لئے مسیح علیہ السلام کی صلیبی وفات اور ان کے مرکر جی اٹھنے کے عقیدے کو لازمی قرار دیتی ہے۔ اسلام میں نجات کا تصور انسان کے اعمال پر منحصر ہے۔ قرآن حکیم نے نیک اعمال کی بار بار تلقین کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے ''جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے اور نیک عمل کئے پس ان کیلئے ان کا اجر اللہ کے پاس ہے'' (البقرۃ: ۲: ۶۲)۔ نیک اعمال اور عمل صالحہ کا نتیجہ جنت کے حصول کی صورت میں ظاہر ہوگا اس لئے کفارہ پر ایمان نجات کا ذریعہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

ابن اللہ: عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا اکلوتا بیٹا مانتے ہیں اور ان کو خدائی صفات کا حامل قرار دیتے ہیں۔ خدا اس عقیدے کی شدت سے تردید کرتا ہے اور ان کو ایک بشر اور نبی اور رسول قرار دیتا ہے جو بنی اسرائیل کی اصلاح کیلئے مبعوث ہوئے۔ خدا اس عقیدے کو عیسائیوں کا افترا اور بہت بڑا ظلم قرار دیتا ہے۔ سورہ مریم میں ہے ''اور کہتے ہیں کہ رحمٰن نے بیٹا بنایا ہے یقیناً تم ایک خطرناک بات کرگزرے ہیں۔ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائے اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائے اور گرجائیں کہ وہ رحمٰن کیلئے بیٹے کا دعویٰ کرتے ہیں'' (مریم: ۱۹: ۸۹-۹۱)۔

لعنتی موت: عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت انسان کی نجات کیلئے صلیب پر چڑھا ہے۔ صلیب پر وفات کے تین دن بعد زندہ ہوئے۔ موت پر فتح پا کر آسمان پر چلے گئے وہ مصلوب ہوکر انسانوں کے گناہوں کی نجات کا ذریعے بنے۔ یہودی کہتے ہیں کہ توریت کے

مطابق جس کو مصلوب کیا جائے وہ لعنتی موت مرتا ہے۔ عیسائیوں نے لعنتی موت کے عقیدے سے نجات کا عقیدہ تراشا۔ قرآن انبیاء کو خدا کی برگزیدہ ہستیاں قرار دیتا ہے۔ ان کے لئے لعنتی موت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ عیسائیت کا خود تراشیدہ عقیدہ ہے۔

اسلامی فلسفہ جس کی نمائندہ مسلم دنیا ہے اور عیسائیوں کے مذہبی نظریات میں بڑا فرق ہے۔ مسیح کی الوہیت، تثلیث اور کفارے کے نظریات کے مقابلے میں اسلام وحدانیت اور توحید کا درس دیتا ہے۔ اسلئے ان مذاہب کا مذہبی اختلاف کا خاتمہ ناممکن ہے۔ قرآن نے گزشتہ صدیوں میں جو انقلاب بپا کیا ہے اور جس فکر کی آبیاری کے ہے وہ اپنی الگ حیثیت اور فعالیت پر مبنی ہے۔ باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے۔ ان کے درمیان کم از کم نظریاتی اشتراک ناممکن ہے جہاں تک سیاسی، سماجی اور معاشی اشتراک کا تعلق ہے اس کے امکانات اس وقت پائے جائیں گے جب مشنری اداروں کا موجودہ منفی نقطہ نظر تبدیل ہو اور وہ دیگر مذاہب کے ساتھ حقیقی ہمدردی رکھتے ہوں وہ بعض ممالک کے آلہ کار نہ ہوں بلکہ ان نظریات اور افکار پر عمل کریں جن سے ان کی اپنی فلاح و بہبود میں اضافہ ہو اور جن کو مسلم دنیا قبول کرنے میں پس و پیش نہ کرے اور عیسائیوں کے اخلاص اور حقیقی محبت کے جذبات کی قدر کرے۔ موجودہ حالات میں اتحاد، مذاکرات، ڈائیلاگ وغیرہ محض نعرے اور خالی خولی باتیں ہیں جن کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں۔ حقیقی بنیاد قائم کرنے کے لئے عیسائی دنیا کو اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کرنی ہوگی۔ اس تجربے کی روشنی میں مسلم دنیا اپنا نقطہ بدل سکتی ہے۔ اس طرح یہ اقوام تاریخ کے ایک عمل سے گزریں گی پھر معلوم ہوگا کہ کیا نتائج رونما ہوئے ہیں۔

اہم عیسائی فرقے

Christianity, Oriental,Orthodx

Roman Catholic	Protestant	Eastern Orthodox	Eastern Orthodox: Oriental Orthodox	Uniate
Anglican	Adventist	Ancient	Syrian	Poland
Church of England	Baptist	Constantinople	Coptic	Ukraine
Church of Wales	Brethren	Alexandria	Armenian	Antioch
Church of Ireland	Christan Scientist	Antioch	Syro-Indian	Antioch
Church of Scotland	Church of God	Jerusalem	Ethiopian	
Church of Canda	Swedenborgian	Autocephalous		
Episcopal Church U.S.A	Congreg analist	Russia		
Archbishopric of Jerusalem	Disciples of Christ	Romania		
Church of Ustralia	Evangelical	Serbia		
Church of New Zealand	Friends	Greece		
Church of South Africa	Jehowah's Witnesses	Bulgaria		
Church of East Africa	Mormon	Georgia		
Church of West Africa	Lutheran	Cyprus		
Church of Central Africa	Mennonite	Czechoslovakia		
Church of West Indies	Methodist	Poland		
Nippon Sei Ko Kwai	Moravian	Albania		
Chung Hua Sheng Hung	Nazarene	Sinai		
Church of Uganda Ruanda Urandi	Old Catholic	Autonomous		
Church of India Pakistan Burma Ceylon	Presbyterian	China		
	Reformed			
	Salvation Army			
	Spiritualist			
	Unitarian			
	Universalist			
	United Church			
	and so on			

حواشی وحوالہ جات

۱- Dr. Abdul Hamid Qadri, Dimensions of Christianity, Dawah Academy, Islamabad, 199 pp 44-49.

۲- اس سلسلے کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو SS. G. F. Brandon, Creation Legends of The Near East, London, 1963.

۳- G.F. Moore, Judaisim In the Firsty, Centuries of the Christian Era, Vol-I, Cambridge, Mass, 1927.

۴- ملاحظہ فرمائیں A. D. Nock, St. Paul, London, 1964.

۵- S. A. Nigosian, World Faiths, Ny, p.153.

۶- Ibid

۷- H. Chadwick, The Early Church, Penguine Book, 1967.

۸- R. H. Bainton, The Reformation of the Sixteenth Century, Boston, USA, 1962.

۹- K. S. Lato urette, A History of Christianity, 2 Vol, Ny, 1975.

تحریک پروٹسٹنٹ ازم کے تنقیدی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو

۱۰- H. Von Compenhausen, The Formation of Christian Bible, Phil, USA, 1972.

۱۱- M. E. Marty, Protestantism, Ny, 1974.

۱۲- L. W. Spitz, The Protestant Reformation, NJ, 1966.

۱۳- Johnlewis, The Religions of the World Made Simple Ny, 1958 pp109-111.

۱۴- Anne Freemantle, The Papal Encyclicals, Ny, 1956.

۱۵- ملاحظہ ہو حوالہ سابق اور The Sixteen Documents of Vatican II. And Instructions on the Liturgy, Boston, USA.

۱۶- ٹائم میگزین نے ۴رفروری ۱۹۸۵ء کی اشاعت میں Discord In Church کے عنوان سے رومن کیتھولک کلیساء میں پوپ کے سخت موقف، ریڈیکل تھیالوجی کا چیلنج روم، خواتین کے نئے کردار جیسے موضوعات پر عمدہ بحث کی ہے۔

۱۷- John Lewis, The Religions of the World, pp. 146.

۱۸- ایضاً

۱۹- The Encyclopedia of Religion and Ethics, Protestantism.

۲۰- The Religions of the World p. 152.

۲۱- ایضاً

۲۲- انسائکلو پیڈیا برٹینکا مارمون۔ D.H. Boys, Doctrines and Dogmas of Mormonism, St. Louis

۲۳- The Religions of the World, p. 154-55

۲۴- The Religions of the World, pp 156-7.

۲۵- ایضاً

۲۶- Encyclopedia of Religion, 1987- Christain Science.

۲۷- M. E. Marty, Protestantism, Ny, 1974. Also Encyclopedia Birttanica- Penticostal

۲۸- Encyclopedia of Religion- Christianity.

۲۹- Webster's Biographical Dictionary- John Dowie.

۳۰- Encyclopedia of Religion- Christianity.

۳۱- Encyclopedia of Religion.

۳۲- ایضاً

۳۳- ملاحظہ ہو کیتھولک نقطہ نظر کیلئے رسالہ ورلڈ پیپر، اپریل ۱۹۸۵ء۔

۳۴- ماہنامہ اسلام اور عیسائیت، اسلام آباد۔ جلد سال ۱۹۷۷ء۔ مسلم- مسیحی ڈائیلاگ پر مضامین۔

۳۵- Islam & Christianity, Mutual Perceptions Since the MID-20th Century Edit by Jacques Waardenberg, Peters, 1998.

۳۶- مقالہ صفحہ ۲۵۲

۳۷- Guidelines For the Dialogue Between Muslim & Christians, Rome 1969.

۳۸- Paper- Guidelines on Dialogue with People of Living Faiths & Idealogies, 1979.

۳۹- Dialogue & Proclamation

۴۰- Guidelines on the Dialogue etc p. 12.